احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور (یو کے شاخ)

دارالسلام، ۱۵ سٹینلے ایونیو، ویمبلے، یو کے HA0 - 4JQ

فون نمبر 01753 692654 / 020 8542 2024 / 020 8900 2348

یقیناً اللہ ہمارے ساتھ ہے۔

بلٹن مئی ۲۰۰۸ء

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

مئی میٹنگ

اسلام علیکم۔

آپ سے درخواست ہے کہ جماعت کی ہر میٹنگ میں خود شامل ہوں اور اپنے دوستوں اور رشتہ داروں کو بھی ساتھ لائیں۔

جائے وقوع :۔ دارالسلام
تاریخ :۔ ۷ مئی ۲۰۰۸ء
وقت :۔ ۳ بجے سہ پہر
موضوع :۔ انصاف

انصاف

قرآن کریم فرماتا ہے " اِنَّآ اَنۡزَلۡنَآ اِلَیۡکَ الۡکِتٰبَ بِالۡحَقِّ لِتَحۡکُمَ بَیۡنَ النَّاسِ بِمَآ اَرٰکَ اللّٰہُ ؕ وَ لَا تَکُنۡ لِّلۡخَآئِنِیۡنَ خَصِیۡمًا" (سورۃ النسآء، ۱۰۵) ہم نے یہ کتاب اس لیے نازل کی ہے کہ تم اس کو لوگوں میں خدا کی تعلیم کے مطابق فیصلوں کے لیے استعمال کرو اور دھوکہ بازوں کی حمایت نہ کرنا۔ یہ قانون صرف نبی کریم ﷺ کے لیے نہیں بلکہ قرآن کی تعلیم ہر مسلمان کو اپنی زندگی کے ہر موقع پر استعمال کرنی چاہیے۔ اس آیت کے نزول کے وقت مسلمان بہت ہی کم تھے اور ایک شخص کا قبول اسلام بھی امت کے لیے تقویت کا موجب ہوتا تھا۔ ایسے نازک وقت ایک نومسلم نے ایک زرہ چرا کر ایک یہودی کے گھر چھپا دیا اور پھر چوری کا الزام اُس یہودی پر لگا دیا۔ نومسلم کا سارا قبیلہ اُس کی پشت پر تھا۔ یہودی نبی کریم کی ہجرت کے ساتھ ہی مسلمانوں کے دشمن بن گئے تھے۔ سو یہ جھگڑا ایک یہودی اور مسلمان کا جھگڑا نہ تھا۔ یہ ایک دوست اور دشمن کا جھگڑا تھا۔ بلکہ اس سے بڑھ کر، نومسلم کا سارا قبیلہ اُس کا ساتھ دے رہا تھا۔ امید تھی کہ اگر فیصلہ مسلمان کے حق میں ہو جائے تو شاید یہ قبیلہ بھی اسلام قبول کرلے یا کم از کم مسلمانوں کا ساتھ تو دینے لگے۔ لیکن حضرت ﷺ نے بلا ہچکچاہٹ یہودی کے حق میں فیصلہ دے دیا اور اِس دنیا کے سیاست دانوں اور لیڈروں کے لیے ایک عظیم الشان مثال قائم کر دی کہ انصاف کرتے وقت منصف صرف یہ دیکھے کہ حق پر کون ہے۔ اُس کے فیصلوں میں کوئی دوسری چیز مانع نہ ہو۔ یہ ہے وہ سنتِ نبوی جس پر عمل کرنا مسلمانوں کا فرض ہے۔

قرآن مسلمانوں کو یہ ہدایت بھی دیتا ہے کہ " یٰۤاَیُّہَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا کُوۡنُوۡا قَوّٰمِیۡنَ بِالۡقِسۡطِ شُہَدَآءَ لِلّٰہِ وَ لَوۡ عَلٰۤی اَنۡفُسِکُمۡ اَوِ الۡوَالِدَیۡنِ وَ الۡاَقۡرَبِیۡنَ ۚ اِنۡ یَّکُنۡ غَنِیًّا اَوۡ فَقِیۡرًا فَاللّٰہُ اَوۡلٰی بِہِمَا ۟ فَلَا تَتَّبِعُوا الۡہَوٰۤی اَنۡ تَعۡدِلُوۡا ۚ وَ اِنۡ تَلۡوٗۤا اَوۡ تُعۡرِضُوۡا فَاِنَّ اللّٰہَ کَانَ بِمَا تَعۡمَلُوۡنَ خَبِیۡرًا" (سورۃ النساء ۱۳۵) انصاف کرتے وقت ایک سچا مسلمان اپنی دنیاوی رشتہ داریوں کی پروا نہیں کرتا۔ دولت یا اثر ورسوخ اُس کے فیصلوں پر اثرانداز نہیں ہوتے۔ لیکن یہ خالی باتیں ہی نہ تھیں۔ ان احکامات پر عمل کیا جاتا تھا۔ ایک دوسرے موقع پر ایک سردار کی لڑکی چوری کرتے ہوئے پکڑی گئی۔ سزا کے لئے وہ آنحضرت کے پاس لائی گئی۔ کچھ لوگوں نے لڑکی کو بچانے کے لئے نبی کریم کے پاس سفارش کی اور کہا کہ اگر اِس لڑکی کو سزا دی گئی تو اُس کا باپ ناراض ہو جائے گا اور مسلمان ایک بااثر قبیلے کی حمایت سے محروم ہو جائیں گے۔ لیکن نبی کریم ﷺ نے کیا خوبصورت جواب دیا۔ حضور نے فرمایا کہ آج اگر فاطمہ یہاں ہوتی تو میں اُس کو بھی یہ ہی سزا دیتا!

آج کے مسلمانوں کو یہ سمجھ نہیں آتا کہ قرون اولیٰ کے مسلمانوں نے اسلام پھیلانے میں اتنی عظیم الشان کامیابیاں کس طرح حاصل کر لیں۔ سو جواب یہ ہے کہ اپنے اعمال اور اخلاق سے، جن میں اُنہیں باقی سب قوموں پر فضیلت حاصل تھی۔ یہ صحابہؓ اور تابعینؒ ہی تھے جنہوں نے یہ ثابت کیا کہ کچھ سچائیاں ایسی ہیں جو کہ کامل اور مطلق سچائیاں ہیں اور انصاف وہی انصاف ہے جو کہ کامل اور مطلق ہو۔

کبھی یہ کہا جاتا ہے کہ یہ ناممکن ہے کہ اِس زمانے میں ہم اِس حد تک اِسلام پر کاربند ہوں۔ اِس کا ایک جواب تو یہ ہے کہ یہ کہنا ہی قرآن کی تعلیم کے ابدی اور ازلی ہونے سے انکار کرنے کے مترادف ہے جو کہ فرماتا ہے: "لَا نُکَلِّفُ نَفۡسًا اِلَّا وُسۡعَہَا ۚ وَ اِذَا قُلۡتُمۡ فَاعۡدِلُوۡا وَ لَوۡ کَانَ ذَا قُرۡبٰی ۚ وَ بِعَہۡدِ اللّٰہِ اَوۡفُوۡا ؕ ذٰلِکُمۡ وَصّٰکُمۡ بِہٖ لَعَلَّکُمۡ تَذَکَّرُوۡنَ" (الانعام، ۱۵۲) یہاں قرآن حکیم فرماتا ہے کہ ہم کسی کے نفس پر اُس کی طاقت سے زیادہ بوجھ نہیں ڈالتے اِس لیے جب بولو تو انصاف کرو چاہے وہ اپنے رشتہ داروں کے خلاف ہی کیوں نہ ہو اور خدا سے کئے وعدوں کو پورا کرو۔ دیکھیں یہاں صاف طور پر فرمادیا کہ کامل انصاف انسانی طاقت سے باہر نہیں۔ اِس کے بعد یہ کہنا کہ ہم اِس زمانے میں کامل انصاف نہیں کر سکتے دراصل یہ کہنا ہے کہ قرآن کی تعلیم ہر زمانے اور ہر قوم کے لیے نہیں۔ اِس کا ثبوت کہ یہ غلط ہے ہم نے اپنی آنکھوں سے اُن بزرگوں کے اعمال میں دیکھا ہے جو ہمارے لیے قرآن کی تعلیم کی ایک زندہ مثال تھے۔

نبی کریم ﷺ کے صحابہؓ کو اِس چیز کا خوب علم تھا اور ہر فیصلہ کرتے وقت وہ بڑی سختی سے اِس پر

عمل کرتے تھے۔ صحیح بخاری میں لکھا ہے کہ آنحضرت کی رحلت کے بعد، آپ کی صاحبزادی، حضرت فاطمہ، حضرت ابوبکر کے پاس گئیں اور اپنی میراث کی درخواست کی۔ حضرت ابوبکر نے فرمایا کہ نبیوں کی کوئی میراث نہیں ہوتی۔ جو کچھ وہ چھوڑتے ہیں وہ خیرات ہوتی ہے۔ گو حضرت ابوبکر نبی کریم ﷺ کی قربت کے لحاظ سے حضرت فاطمہ کا بہت احترام کرتے تھے لیکن اِس کے باوجود آپ نے نبی کریم کی ہدایت کا احترام فرمایا۔

اسلام حاکموں سے بہت ارفع اور منصفانہ کردار کا تقاضا کرتا ہے۔ اِس ہی لیے قرآن کریم مسلمانوں کو ہدایت دیتا ہے کہ ''اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُكُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمٰنٰتِ اِلٰٓى اَهْلِهَا وَ اِذَا حَكَمْتُمْ بَيْنَ النَّاسِ اَنْ تَحْكُمُوْا بِالْعَدْلِ'' (النساء، ۵۸) اپنے معاملات اُن کے سپرد کو جو اِس امانت کو نبھانے کے لائق ہوں تا کہ جب وہ انصاف کی کرسی پر بیٹھیں تو انصاف بھی کریں۔ جب تک مسلمان اِس ہدایت پر عمل کرتے رہے تو اُن کے حاکم وہ ہی لوگ رہے جو کہ تقویٰ کی عظیم الشان مثالیں قائم کرتے تھے۔ جیسا کہ ہم نے اوپر کی مثال میں حضرت ابوبکر کے حضرت فاطمہ کو جواب میں دیکھا ہے۔

ایک معترض کہہ سکتا ہے کہ جب انسان کو خود کوئی نقصان نہ پہنچتا ہو تو انصاف کرنا اور قانون پر عمل کرنا آسان ہے۔ لیکن دوسری مثالیں بھی تو دیکھیں۔ حضرت عمرؓ نے ایک یہودی سے ایک ڈھال خریدی اور قیمت میں سے کچھ بقایا بعد میں دینے کا وعدہ کیا۔ کچھ عرصہ بعد بیچنے والے نے مدینہ کے قاضی کی عدالت میں مقدمہ کر دیا کہ حضرت عمر نے پوری ادائیگی نہیں کی۔ قاضی صاحب نے دونوں کو عدالت میں بلایا۔ پہلے بیچنے والے نے اپنی بات کہی۔ اس کے بعد قاضی نے حضرت عمر سے پوچھا کہ کیا اُنہیں کچھ کہنا ہے۔ حضرت عمر نے فرمایا کہ وہ مکمل قیمت ادا کر چکے ہیں۔ قاضی نے پوچھا کہ کیا وہ کوئی ثبوت پیش کر سکتے ہیں۔ حضرت عمرؓ نے جواب میں فرمایا کہ نہیں۔ یہ سُن کر قاضی صاحب نے فیصلہ دیا کہ حضرت عمر جو کہ امیر المومنین تھے اور عرب سے لے کے مصر بلکہ ترکی تک کے علاقے کے حاکم تھے، کے خلاف فیصلہ دے دیا۔

جب حضرت عمر تشریف لائے تھے تو قاضی صاحب نے کھڑے ہو کر اُن کا استقبال نہیں کیا تھا۔ حضرت عمرؓ نے عدالت کے بند ہونے کا انتظار کیا اور قاضی صاحب سے پوچھا کہ کیا وہ بتا سکتے ہیں کہ اُنہوں نے امیر المومنین کا استقبال کھڑے ہو کر کیوں نہ کیا۔ قاضی صاحب بولے اِس لیے کہ اُن کی عدالت میں سب برابر ہیں اور یہ ممکن نہیں کہ وہ مدعی اور مدعا علیہ میں فرق کریں اور ایک کا کھڑے ہو کر استقبال کریں اور دوسرے کا نہ۔ قاضی صاحب نے حضرت عمرؓ سے پوچھا کہ اگر قاضی صاحب نے کھڑے ہو کر اُن کا استقبال کیا ہوتا تو اُن کا کیا ردِ عمل ہوتا۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ آپ فوری طور پر قاضی کے عہدہ سے معزول کر دیئے جاتے اور دوبارہ کبھی آپ کسی حکومتی عہدہ پر نہ مقرر کیے جاتے اس لیے کہ آپ کی آزادانہ انصاف کرنے کی اہلیت مشکوک ہو جاتی۔

یہ اکا دکا واقعات نہیں۔ ایک اور موقع پر جب یہ ثابت ہو گیا کہ حضرت عمرؓ کے اپنے بیٹے نے قانون کی خلاف ورضی کی ہے تو آپ نے اپنے ہاتھ سے علانیہ اپنے بیٹے کو کوڑے لگائے۔

حضرت علی کرم اللہ، جو کہ چوتھے خلیفہ تھے، اور خلفاء راشدین میں آخری خلیفہ تھے، اُن کے خلاف بھی کسی نے مقدمہ کر دیا کہ اُنہوں نے قرض لے کر واپس نہیں کیا۔ قاضی صاحب نے حضرت علیؓ کو عدالت میں بلا کر جواب طلبی کی۔ حضرت نے فرمایا کہ میں قرض ادا کر چکا ہوں۔ قاضی صاحب نے ثبوت مانگا۔ حضرت علیؓ نے اپنے غلام کو گواہی کے لیے بلایا۔ لیکن قاضی صاحب نے شہادت قبول کرنے سے اس لیے انکار کر دیا کہ وہ حضرت علی کے غلام کو ایک آزاد گواہ تسلیم کرنے کو تیار نہیں تھے۔ حضرت علیؓ نے حضرت امام حسین کی گواہی پیش کی لیکن قاضی صاحب نے اُس کو بھی رد کر دیا اور یہ ہی وجہ دی کہ وہ حضرت علی کے صاحبزادہ ہیں۔ اِس پر حضرت علی نے احتجاج کیا اور فرمایا کہ تم اُس کی گواہی رد کرتے ہو جس کو نبی کریم ﷺ نے جنت میں معصوموں کا سردار کہا ہے۔ اِس پر قاضی صاحب بولے کہ ہم جنت میں نہیں، اِس وقت ہم اِس دنیا میں رہ رہے ہیں اور فیصلہ اِسی دنیا کے قوانین کے مطابق ہو گا۔ جب اگلی دنیا کا وقت آئے گا تو قاضی صاحب اُس سے نبٹ لیں گے۔ چونکہ حضرت علی قاضی صاحب کی تسلی کے گواہ نہ پیش کر سکے قاضی صاحب نے فیصلہ آپ کے خلاف دے دیا۔

لیکن مترحم انصاف کی سب سے عظیم الشان مثال خود نبی کریم نے فتح مکہ کے وقت قائم کی۔ ابو سفیان نبی کریم ﷺ کا سب سے بڑا دشمن تھا لیکن مکہ میں داخل ہونے سے پہلے حضور نے اعلان فرما دیا کہ آپ نے اُس کو معاف کر دیا ہے۔ نہ صرف ابو سفیان کو معاف کر دیا بلکہ اُس کے گھر کو پناہ گاہ قرار دے دیا۔ جو کوئی بھی اُس کے گھر پناہ لیتا وہ امن میں تھا۔ دس ہزار فدائیوں کے ساتھ جب آپ مکہ میں داخل ہوئے تو سارا مکہ کانپ رہا تھا۔ آپ نے ہجوم پر نظر ڈالی۔ آپ کے دوستوں اور عزیزوں کے قاتل، آپ کو ایذا دینے والے، مسلمانوں کے گلوں میں رسہ ڈال کر کھینچنے والے سب وہیں تھے۔ زمین و آسمان دونوں خاموش تھے۔ خلائق و ملائک و انتظار تھا کہ دیکھو آج کتنا خون بہتا ہے۔ لیکن حضور نے صرف اتنا فرمایا کہ تم سب آزاد ہو۔ میں اپنی ذات کے بدلے کسی کو تکلیف نہیں دوں گا، میرے دکھوں کے بدلے کسی انسان کا خون نہ بہے گا۔ آپ کے ساتھ جو لوگ تھے وہ ایک اشارے پر آپ پر اپنی جانیں قربان کر دیتے لیکن جب اُن پر ظلم و ستم کا بدلہ لینے کا سوال اُٹھا تو آپ نے فرمایا کہ جس پر ظلم ہوا ہو معافی کا حق صرف اُس ہی کو ہے۔ میں صرف سفارش کرتا ہوں کہ باقی سب احباب بھی عام معافی کا اعلان فرما دیں۔ اصل انصاف جو رحم کے ساتھ ہو وہ یہ کہ مظلوم فیصلہ کرے کہ میں بدلہ نہیں لوں گا نہ یہ کہ کوئی ایک ادارہ۔

قرآن کا لفظ لفظ ہمارے لیے مشعلِ راہ ہے۔ کیا خوب فرمایا ہے خدا تعالیٰ نے: ''قُلْ اَمَرَ رَبِّىْ بِالْقِسْطِ'' (الاعراف، ۲۸) میرا رب حکم دیتا ہے کہ انصاف کرو۔ تو جہاں ہمیں نماز، روزہ اور حج کا حکم ہے وہاں انصاف کرنے کا بھی حکم ہے۔ آگے حکم دیا کہ: ''يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ لِلّٰهِ شُهَدَآءَ بِالْقِسْطِ ز وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰٓى اَلَّا تَعْدِلُوْا ط اِعْدِلُوْا وقف هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى ز وَاتَّقُوا اللّٰهَ ط اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ'' (المائدہ، ۸) خبردار ایسا نہ ہو کہ تم کسی کی نفرت یا تعصب میں اتنے اندھے ہو جاؤ کہ تمہارے اندر یہ جذبہ پیدا ہو کہ اِن سے انصاف نہیں کرنا۔ انصاف کرنا اس لیے کہ تقویٰ یہ ہی ہے اور خدا تعالیٰ نے جو فرائض تمہارے ذمہ لگائے ہیں اُن کی ادائیگی میں احتیاط کرنا۔

آئیں سب مل کر دُعا کریں کہ خدا تعالیٰ ہمیں اِس تعلیم پر عمل کرنے کی توفیق دے تا کہ ہمارے اخلاق اتنے ارفع ہو جائیں کہ لوگ خود ہی اسلام کی طرف کھچے چلے آئیں۔ آمین ثم آمین